حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی

دوام حدیث

حدیث کے ماننے سے قرآن پر عمل کرنے میں خلل واقع نہیں ہوتا

جب عبادت کا معنے واضح ہوگیا تو اب امورِ مذکورہ کا نمبر وار ذکر کر کے اس پر کچھ لکھتے ہیں:

۱۔ عبادت کا تعلق راہِ راست معاملات سے ہے:

جب ہم واضح کر چکے ہیں کہ اصل میں عبادت اس انتہائی خضوع کا نام ہے جس میں ایک خاص اعتقاد کی ضرورت ہے پس عبادت کا معاملات کے ساتھ براہِ راست تعلق نہیں ہوگا اور قرآن مجید نے بھی معاملات کو عبادت سے الگ ذکر کیا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ (الذاریات:)

میں نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے۔ میں نے ان کو روزی کمانے (یعنی ذرائع معیشت، صنعت حرفت کاشتکاری، تجارت اور ملازمت) کے لیے نہیں بنایا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاملات حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ عبادت ایک اور چیز ہے جو معاملات میں بھی داخل ہو جاتی ہے۔ بحث اس امر میں ہے

کہ عبادت کا تعلق براہِ راست معاملات سے ہے یا نہیں ؟ پس صحیح بات یہی ہے کہ عبادت کا تعلق براہِ راست معاملات سے نہیں بخلاف ان تعظیمی امور کے جن کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر اذکار وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ امور براہِ راست عبادت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان امور میں ریاء ہو تو یہ باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ عبادت میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عبادت کسی دنیوی منفعت کو ملحوظ رکھ کر کی جائے، تو بھی وہ باطل ہو جاتی ہے بخلاف معاملات کے، اگر بیع، تجارت اور کاشتکاری میں کوئی شخص صرف مفاد دنیوی کا لحاظ رکھے تو یہ چیزیں باطل نہیں ہوتیں۔ ان دنیوی معاملات میں عبادت ایک عارضی چیز ہے۔ یعنی ان باتوں کا اصل اور ہے اور عبادت ان میں عارضی ہے۔ عبادت ان میں اس طرح عارضی ہوتی ہے کہ ان میں حلال و حرام کا خیال رکھا جائے۔ اس امر کا خیال رکھنا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ یہ بات ان میں عبادت ہے اور ان کو دنیوی مفاد کی بنا پر کرنا اور طرح طرح کی جدتوں سے عقل سے کام لے کر بنانا یا کرنا عبادت نہیں بلکہ دنیوی مشغلہ ہے۔

۴۔ یہ کہنا کہ عبد عبودیت عبادت کے معنے میں قانون خداوندی کی اطاعت اور محکومی ہے عبادت کا پورا معنے نہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت ہمیشہ منع رہی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَاسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ (زخرف: ۴۵)

پہلے رسولوں سے پوچھو۔ کیا ہم نے رحمٰن کے سوا ایسے خدا بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے۔

اور اطاعت غیر اللہ کے لیے ثابت ہے۔ جبرائیل کے متعلق "مطاع ثم" وارد ہوا ہے۔ عالم ملکوت میں اس کی اطاعت ہوتی ہے اور رسولوں کے متعلق فرمایا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

ہم نے جو رسول بھیجا اس کی اطاعت کا حکم دیا۔

پس ثابت ہوا کہ اطاعت عبادت کی پوری حقیقت نہیں بلکہ طاعت کے عبادت

بننے کے لیے اور باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ان قیود کی بنا پر طاعت کبھی عبادت ہوتی ہے۔ اگر ان قیود پر مشتمل ہو ورنہ طاعت عبادت نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ کہنا کہ "یہ تصور کہ عبادت کا مفہوم خدا کی پرستش (پوجا پاٹ) ہے۔ مذہب کا پیدا کردہ ہے دین کا نہیں" بے حقیقت ہے کیوں کہ عبادت کا دینی مفہوم جس کا ذکر ہو چکا ہے جس طرح بعض طاعت پر صادق آتا ہے۔ اسی طرح پرستش (پوجا پاٹ) پر بھی صادق آتا ہے بلکہ طاعت بھی اسی وقت عبادت بنتی ہے۔ جب پرستش کے حکم میں داخل ہو جائے۔ ہر طاعت عبادت نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ طاعت اس وقت عبادت کہلاتی ہے۔ جب خضوع اور تذلل کے لیے ہو۔ اس اعتقاد کو لیے ہوئے، جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس وقت طاعت پرستش (پوجا پاٹ) بن جاتی ہے۔ پس عبادت کی حقیقت پرستش ہوئی نہ مطلق طاعت۔

۴۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ معاملات حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ عبادت ان میں حلال وحرام کے خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ تو قوم شعیب نے جو کلام حضرت شعیب سے کیا تھا اس کا یہ مطلب نہیں۔ نماز ایک عبادت ہے اس کا معاشی نظام سے کیا تعلق۔ بلکہ یہ کلمہ انہوں نے بطور استہزار کہا تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم نماز پڑھتے ہو کیا نماز تم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم غیر اللہ کی پرستش چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشا تصرف نہ کریں۔ تم بڑے حلم والے اور ہدایت یافتہ۔ ان کو نمازی، حلم والا اور ہدایت یافتہ بطور استہزار کہتے تھے۔ کیونکہ ان کے ہاں غیر اللہ کی عبادت عین ایمان تھا اور مالوں میں حسب منشا تصرف عین عقل مندی پس اس نیک اور عقل مندی کے کام سے روکنا برا ہے۔ یعنی تم نمازی بن کر ایسا برا کام کرتے ہو کیونکہ ان کے نزدیک غیر اللہ کی عبادت کو چھوڑنا برا تھا۔ اسی طرح مالوں میں نفع حاصل نہ کرنا بھی برا کام تھا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی نیک نمازی سے کوئی چوری یا بدکاری کا کام ہو جائے تو ملامت کرنے والے لوگ اس طرح کہیں، کیا تم کو نماز چوری سکھاتی ہے یا بدکاری کا حکم دیتی ہے؟ اگر حقیقت حال میں غور کیا جائے تو اصل بات یہی تھی جس

کا وہ انکار کرتے تھے یعنی نماز واقعی برے کاموں سے روکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت:)

بے شک نماز بے حیائی اور منکرسے روکتی ہے۔

مگر شعیب کی قوم ان امور کو منکر خیال نہیں کرتی بلکہ ان کے ہاں یہ کام معروف اُنکی (؟) میں داخل تھے اس لیے الزام دیتے تھے۔

پھر قوم شعیب نے تو صرف صلاۃ کا ذکر کیا ہے جو عبادت کا ایک فرد ہے۔ صرف یہی عبادت نہیں۔ جیسے انسان حیوان کا فرد ہے عین حیوان نہیں۔ پس نماز سے مراد صرف عبادت نہیں اور عبادت کے متعلق قوم شعیب کے خیال کی اپنی طرف سے ترجمانی کرنا کہ ان کے نزدیک عبادت کا تعلق معاملات سے کوئی نہیں تھا اور ان کا یہ خیال غلط تھا یہ سب بے دلیل ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی تحریف ہے تفسیر نہیں۔

بالفرض اگر نماز کا معاملات سے تعلق نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق عبادت کا بھی معاملات سے تعلق نہ ہو کیوں کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ پھر کفار کے ہاں تو لہو ولعب دین اور سیٹی اور تالیاں بجانا نماز تھا۔

مَا كَانَ صَلٰوتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاءً وَّ تَصْدِيَةً (الانفال:)

بیت کے پاس کفار کی نماز صرف سیٹی اور تالیاں بجانا نماز تھا۔

اِتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا (الاعراف:)

کفار نے اپنا دین شغل اور کھیل کو بنا رکھا ہے۔

پھر تعلق یا عدم تعلق کی بحث میں الجھنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ معنے بالکل واضح ہے کہ نمازی ہو کر برے کام کی ترغیب دیتے ہو گویا تم کو یہ نماز برا کام سکھاتی ہے۔

قرآن مجید اور حدیث کا تعلق ہم بیان کر چکے ہیں اور حدیث کے علوم کے متعلق شاہ ولی اللہ صاحب سے نقل کر چکے ہیں کہ:۔

"حدیث کا ایک علم علمِ تفسیر اور علمِ استنباط ہے"

علمِ تفسیر اور علمِ استنباط میں یہ فرق ہے کہ علمِ تفسیر میں قرآن کا بیان ہوتا ہے جس سے قرآن کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور علمِ استنباط میں قرآن سے مسائل اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مرفوع روایت میں قرآن مجید کی تفسیر دو صورتوں میں ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ قرآن کے مسائل کی وضاحت ہو یعنی عام کی تخصیص مطلق کی تقیید، خاص کو عام بنانا اور مقید کا حکم مطلق میں لے جانا اور قرآن کے ان الفاظ کی تشریح جو اصل معنے سے نقل ہو کر دوسرے شرعی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اور بعض احکام کے شرائط، مانع اور اسباب کا بیان ہو۔ اس صورت میں حدیث کا اکثر حصہ قرآن کی تفسیر ہے۔ احکام کی اکثر حدیثیں اسی قسم کی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنا منہ اور ہاتھ دھو لیا کرو۔ سر کا مسح کرو۔ پاؤں کو ٹخنوں تک۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ منہ دھونے سے پہلے نیت کرے۔ اور بسم اللہ پڑھے۔ پہلے دونوں ہتھیلیوں کو دھوئے۔ پھر کلی کرے اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کرے۔ پھر منہ دھوئے۔ پھر ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے۔ پھر پانی لے کر سر کا مسح کرے اور ساتھ ہی کان کے اندر باہر کا بھی مسح کرے۔ پھر ٹخنوں تک پاؤں دھوئے۔ یہ سب کام کم از کم ایک بار اور زیادہ سے زیادہ تین بار کرے۔ یہی حال نماز روزے، حج، زکات، نکاح، بیع وغیرہ کا ہے۔ قرآن میں جو مطلق حکم تھا اس کی تقیید حدیث میں ہے۔ صلوٰۃ جو لغوی معنی سے منتقل ہو کر دوسرے معنے میں از روئے شریعت مستعمل ہے اس شرعی معنی کی تفصیل حدیث میں ہے۔ یہی اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

اور بعض علماء نے جو دعوے کیا ہے کہ صلاۃ کی تمام حدیثیں قرآن ہی سے مستنبط ہیں۔ اس استنباط سے مراد ان کی وحی باطنی ہے جیسا کہ ہم اس کا مفصل بیان کر چکے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اشتراک وغیرہ کی بنا پر کچھ

ابہام ہو تو اس کی وضاحت کرنا یا لغت میں غرابت ہو تو اس کی تشریح کرنا۔ یا کسی آیت کا شان نزول بیان کرنا یا کسی آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو تو اس کا ذکر کرنا۔ کسی مبہم کی تعیین کرنا۔ اگرچہ اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن فہمی اس پر موقوف نہیں مگر ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن کا مطلب ان کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔

اگر پہلی صورت کو تفسیر میں شامل کیا جائے تو احادیث میں تفسیر کا حصہ بہت ہو جاتا ہے اگر صرف دوسری قسم کو تفسیر میں داخل کیا جائے تو اس صورت میں مرفوع روایت کا حصہ بہت کم ہو جاتا ہے پھر دوسرے اور پہلے حصہ میں اکثر وہ حدیثیں بھی آجاتی ہیں جن کا صرف آیت سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اور عام طور پر دوسری قسم کی حدیثوں کو بھی محدثین کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ مجموعہ قرآن کے لحاظ سے بہت تھوڑی ہی آیتوں کی تفسیر وارد ہے۔

اگر کسی آیت کی تفسیر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے تو وہ سب پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کوئی شخص قرآن کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر ثابت نہ ہو پھر اگر صحابہ سے ثابت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں :-

۱۔ ایسے الفاظ کی تفسیر ہو جن میں لغوی معنی چھوڑ کر ایک شرعی معنے لیا گیا ہو تو اس صورت میں وہ تفسیر حجت ہے۔

۲۔ اگر ایسے الفاظ ہیں جو اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہے تو اس صورت میں وہ تفسیر اہل لغت کی تفسیر سے اعلیٰ درجہ کی مانی جائے گی بشرطیکہ اتفاقی ہو ورنہ اہل لغت کی طرف رجوع کیا جائے گا جس معنی کی تائید لغت سے ہوتی ہو اس کو ترجیح ہوگی۔ اس کے بعد معانی و بیان اور دیگر علوم عربیہ سے قرآن کی تفسیر کی جاوے گی، ان میں سے کسی کو بھی تفسیر بالرائے نہیں کہا جائے گا۔ اگر اس کو تفسیر بالروایت کہا جائے تو بجا ہے۔

اگر تفسیر صرف مرفوع حدیث کا نام رکھا جائے تو صحابہ تابعین اور اہل لغت و

دیگر علوم عربیہ کی مدد سے جو تفسیر کی جائے گی وہ تفسیر بالدرایت اور تفسیر بالرای کے درمیان واسطہ ہوگی اور تفسیر بالرای حرام ہے جیساکہ حدیث میں ہے۔

من قال فی القرآن برأیه فلیتبوأ مقعده من النار (مشکوٰۃ)

جو قرآن میں اپنی رائے سے بات کرے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے۔

تفسیر کی وہ روایتیں جو بخاری و مسلم میں ہیں یا جن کو ائمہ نے صحیح کہا ہے۔ ان سے استشہاد کرنا درست ہے۔ امام احمد بن حنبل سے جو یہ مروی ہے کہ تفسیری حدیثیں ضعیف یا موضوع ہیں ان کی مراد اس سے ان مذکورہ روایات سے ایسی روایتیں مراد ہیں جن کی سندوں میں ضعیف یا کوئی وضاع راوی ہو۔ ساری روایتیں مراد ہیں کیونکہ ان کی اپنی کتاب مسند احمد میں بھی تفسیری روایات موجود ہیں اور امام احمدؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب مقبول اور مردود کے لیے ایک معیار بنایا ہے۔ اگر ان کے اس دعوے پر اعتراض ہوئے ہیں مگر یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب وہ خود ان تفسیری روایات کو جو ان کی کتاب میں درج ہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں تو ان کے اس قول (تفسیری روایتیں ضعیف ہیں یا موضوع) کا مطلب وہی ہونا چاہیے جو ہم نے بیان کیا ہے اور یہ حدیثیں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہونی چاہئیں۔

مرزائیت اور اسلام

علامہ احسان الٰہی ظہیر کے خارا شگاف قلم سے

اردو میں مرزائیت کے اوپر بہترین کتاب

قیمت: ۶ روپے صرف

ادارہ ترجمان السنہ ۷ ایبک روڈ انارکلی لاہور